تبصرہ کتب

نام کتاب : *Sabers of Paradise*[اردو ترجمہ: شیرِ داغستان]
مترجم : میجر عنایت شیر خان
ناشر : آرمی ایجوکیشن پریس
تبصرہ نگار : لیفٹننٹ کرنل عادل اختر

[زیرِ نظر تبصرہ (درحقیقت تلخیص) معاصر ہفت روزہ الہلال، راولپنڈی بابت جون ۲۲-۳۰ (۹۶ء) میں شائع ہوا ہے۔ ہم بشکریہ الہلال بعض اختلافی نوٹس اور حواشی کے ساتھ اسے "وسطی ایشیا کے مسلمان" کے قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں (مدیر)۔]

بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی ہے۔ آب رواں راوی کے کنارے ایک مرد درویش ایک خواب دیکھ رہا ہے کہ ساحلِ نیل سے لے کر خاکِ کاشغر تک سارے خطّے کے مسلمان اکٹھے ہو کر قیام و سجود کر رہے ہیں۔ یہ ایک شاعر کا خواب ہے اور ایسے خوابوں کی صورت گری بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ ساری زندگی وادیٔ پُر خار میں آبلہ پائی کرنا ہوتی ہے۔ داستانِ حرم پڑھنے بیٹھیں تو ایسے آبلہ پاؤں میں ایک نام امام شامل کا بھی آتا ہے۔ جنھوں نے پریوں کے دیس کوہ قاف میں داستانِ حریّت اپنے لہو سے رقم کی۔ افسوس کہ اردو زبان میں امام شامل کے کارناموں پر کوئی مستند مواد دستیاب نہیں ہے [1]۔ البتہ انگریزی زبان میں لیزلی بلانش کی کتاب *Sabers of Paradise* اس موضوع پر ایک دلچسپ تحریر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب میجر عنایت شیر خان نے اس کتاب کا سادہ اور سلیس زبان میں ترجمہ کیا ہے شیرِ داغستان کے نام سے۔ کتاب کو آرمی ایجوکیشن پریس نے نفیس کاغذ پر شائع کیا ہے۔ جن لوگوں کی رسائی انگریزی کتابوں تک نہیں ہے ان کے لیے یہ کتاب بے حد دلچسپ اور معلوماتی ثابت ہوگی۔ کتابت کی کچھ غلطیاں دور ہونے سے رہ گئی ہیں۔

کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ جس سرزمین پر یہ معرکے بپا ہوئے اسے بڑی جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ زمینی بناوٹ کے علاوہ وہاں کے رسوم و رواج اور روسی و ایرانی تہذیب و ثقافت اور درباروں کا حال تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس پس منظر میں امام شامل کی تصویر خوب اجاگر ہوتی

ہے اور ان کی شخصیت کے نقوش بڑی خوبصورتی سے ابھرتے ہیں۔

وادی پرخار: جو سرزمین امام شامل کی جولان گاہ بنی اسے قفقاز (کاکیشیا) کہتے ہیں۔ کاکیشیا سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں برف پوش پہاڑ۔ کاکیشیا کے پہاڑ دو سمندروں کیسپئین اور اسود کے درمیان اس طرح رکھے ہوئے ہیں جیسے زمین پر بلیرڈ ٹیبل بچھا ہوا ہو۔ اونچے اونچے بے آب و گیاہ، بنجر پہاڑ جن پر ہر وقت سناٹے کا راج رہتا ہے، وحشی ہوائیں وادیوں میں زقندیں بھرتی پھرتی ہیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر شاہین بسیرا کرتے ہیں، دامن میں شیر چنگھاڑتے ہیں اور زمینی دلدلوں میں سانپ سرسراتے پھرتے ہیں۔ ہر وقت ویرانی اور ابدی خاموشی چھائی رہتی ہے۔ جیسے قدرت مراقبے میں ہو۔ پرہیبت پہاڑوں اور پراسرار گھاٹیوں نے ماحول کو بھی پراسرار بنا رکھا ہے۔ شمال میں روس کے گھاس کے وسیع میدان ہیں۔ جنوب میں ایران اور ترکی کی بادشاہتیں۔ طفلس یہاں کا سب سے بڑا شہر ہوا کرتا تھا جہاں روسی اطالوی، یونانی، ترکی، منگول، ایرانی اور کئی نسلوں اور قومیتوں کے لوگ آباد تھے۔ طفلس اسلحہ سازی کا بڑا مرکز تھا۔ جنوبِ شہر میں سنگتروں، انگوروں اور خوبانی کے باغات تھے[۲]۔

باشندے:- قفقاز کی زمین جتنی سنگلاخ تھی باشندے اتنے ہی سنگ دل اور شقی القلب واقع ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے لیے جنگ بجائے خود زندگی تھی۔ انتہا پسندی ان کی فطرت کا جزو تھی۔ اگر حملہ آور نہ آتے تو آپس میں ہی لڑتے۔ کٹے ہوئے سر اور لڑھکتی ہوئی کھوپڑیاں منظرِ عام کا حصّہ تھیں۔ عورتیں بھی بڑی نڈر تھیں۔ نقاب کے اندر خنجر رکھا کرتیں اور اکثر اس سے کام بھی لے لیتیں۔ میدانِ جنگ میں خوب بہادری کے جوہر دکھاتیں۔ انتقامی لڑائیاں کئی کئی پشتوں تک جاری رہتیں اور اس وقت ختم ہوتیں جب کوئی بدلہ لینے والا زندہ نہ بچتا۔ ایک چیچن سردار کے سامنے جب اس کے بیٹے کی لاش لائی گئی تو اس نے اپنے ہاتھ سے لاش کے ساٹھ ٹکڑے کیے اور اپنے ماتحت سرداروں کو ایک ایک ٹکڑا دیا اور اس کے بدلے دشمن کی ایک ایک کھوپڑی کا طالب ہوا۔ جب اسے دشمنوں کی ساٹھ کھوپڑیاں پیش کی گئیں تو اس کی آتشِ انتقام ٹھنڈی پڑی (واللہ اعلم)۔

روس:- کہا جاتا ہے روس کسی ایک ملک کا نام نہیں بلکہ ایک وسیع دنیا کا نام ہے۔ ملک کی وسعتیں چہار سو پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگوں کی فطرت میں شدت اور انتہا پسندی غالب ہے۔ مریدی جنگوں نے روسی زمینی وسعتوں کو قفقاز کی پہاڑی بلندیوں کے مقابل لا کھڑا کیا۔ روس یورپ کے لیے ہمیشہ ایک غیر یقینی اور پراسرار کیفیت کا مالک ملک رہا ہے۔ روس اور یورپ کے درمیان ہمیشہ ایک آہنی پردہ حائل رہا ہے۔

جب کیتھرینہ روس کی زارینہ بنی تو اس نے روس کو ایک عظیم مملکت بنانے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا۔ ۱۷۷۷ء میں کریمیا کی فتح سے فارغ ہو کر قفقاز کا رخ کیا تو موت راستے میں حائل ہو گئی۔

۱۸۱۲ء میں نپولین کی شکست کے بعد ایک بار پھر روسی افواج قفقاز کی طرف متوجہ ہوئیں۔ روسی فوج جب قفقاز کے فلک بوس پہاڑوں کے پاس پہنچی تو بلند و بالا پہاڑ ایک دیوار کی طرح راستے میں حائل ہو گئے۔ کہاں تو ان کے تصوّر میں قاف کی پریاں اور رومان پرور فضائیں تھیں اور کہاں انہیں واسطہ پڑا فولادی عزم رکھنے والے اور فولادی تلواریں چلانے والے قفقازی جانبازوں سے۔ سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔ ۱۸۲۵ء میں نکولس روس کا زار بنا۔ امام شامل کا زیادہ مقابلہ اسی زار سے رہا۔ نکولس بڑا ظالم اور خود سر انسان تھا۔ جہاں جہاں بس چلا، روسی فوج نے زبردست مظالم کیے۔ دشمنوں کے کانوں میں ایک کان سے دوسرے کان تک لوہے کی میخیں ٹھکوا دی جاتیں۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیے جاتے اور کسی قسم کا رحم روا نہ رکھا جاتا۔

امام شامل:- تاریخ کے دھندلکوں سے امام شامل کی سحر انگیز شخصیت کے نقوش ابھارنا بڑا مشکل کام ہے۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے، اس کے مطابق امام شامل ۱۷۹۶ء کے لگ بھگ داغستان کے گاؤں غمری میں پیدا ہوئے (اسی زمانے میں سرزمینِ ہند میں مرزا غالب پیدا ہوئے)۔ وہ بچپن میں کافی کمزور تھے لیکن بڑے ہونے پر بہت صحت مند اور طاقت ور نوجوان ثابت ہوئے۔ سوا چھ فٹ قد اس پر اونچی سی پگڑی یا ٹوپی۔ نیزہ بازی، شمشیر زنی، گھڑسواری، تیراکی اور بھاگنے دوڑنے میں ان کا کوئی مقابل نہیں تھا۔ شہسواری کے وہ کرتب دکھاتے کہ بڑے بڑے شہسوار ششدر رہ جاتے۔ بلا کی جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ شریعت اور طریقت کا بھی بہت علم تھا۔ وہ انتہائی دیدہ زیب اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ قدرت نے بڑی فیاضی سے انہیں مردانہ حسن اور وجاہت عطا کیے تھے۔ ان کے طور طریقوں میں شاہانہ انداز تھا۔ ہمیشہ سیاہ سفید لباس زیب تن کرتے۔

۱۸۳۰ء کے لگ بھگ ملّا غازی نامی ایک شخص نے قفقازیوں کو روس کے خلاف جہاد کے لیے ابھارا اور روسیوں سے کئی کامیاب لڑائیاں لڑیں۔ اسے پہلا امام گردانا گیا۔ اس کی شہادت کے بعد ہمزاد بیگ نامی مجاہد نے قفقازیوں کی کمان سنبھال لی۔ ۱۸۳۴ء میں ہمزاد بیگ کی موت کے بعد مجاہدوں کی قیادت خود بخود امام شامل کے ہاتھوں میں آگئی۔ وہ تیسرے امام کے طور پر مشہور ہوئے۔ انہوں نے اپنے لوگوں کو روسی یلغار کے خلاف متحد کیا۔ وہ ایک سحر انگیز شخصیت کے مالک اور بڑے دلیر لیڈر تھے۔ انہوں نے لوگوں کو باور کرایا کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے مسلمانوں کے امام ہیں[۳]۔ امام بنتے ہی انہوں نے ڈاک کا موثر نظام قائم کیا۔ دشمنوں کی ایک ایک حرکت کی خبر انہیں فوری طور پر ملنے لگی۔ انہوں نے اپنے مریدوں پر بڑا سخت ڈسپلن نافذ کیا۔ فوج کی تنظیم نو کی۔ اپنے نیچے سو نائب اور ہر نائب کے ماتحت سو مرید مقرر کیے۔ امام شامل مقناطیسی شخصت کے مالک تھے۔ گھورتے تو آنکھوں سے آگ برستی۔ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے۔ نشست و برخاست سے شاہانہ وقار کا اظہار

ہوتا۔ ان کا ہر لفظ مریدوں کے لیے قانون کا درجہ رکھتا۔ امام بنتے ہی انہوں نے شریعت کا نظام نافذ کر دیا۔

اپنی سرزمین کی طرح امام شامل بھی تضادات کا مجموعہ تھے۔ جنگجو بھی، صوفی بھی، سادہ بھی، پر کار پر، رحمدل بھی، سنگدل بھی، آخر امام انہی پہاڑیوں کے پروردہ تھے۔ ۱۸۳۲ء میں روسی افواج نے غمری پر حملہ کر کے اسے تاراج کر دیا۔ صرف دو افراد زندہ بچے جن میں سے ایک امام شامل تھے۔ زخموں سے چور، وہ پہاڑوں میں فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور کسی چرواہے نے انہیں پناہ دی۔ جہاں انہوں نے چند ماہ ایک پہاڑی کوٹھڑی میں رہ کر گزارے اور اپنے زخموں کا علاج کروایا۔ پھر ایک مناسب موقعہ پر ظاہر ہو کر لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ جب ۱۸۳۴ء میں وہ تیسرے امام منتخب ہوئے تو انہوں نے افلگو کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ افلگو تین اطراف سے دریا میں گھرا ہوا عمودی چٹان پر ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ یہاں رہ کر پچیس برس تک انہوں نے روسیوں سے جنگیں لڑیں۔ ان پچیس برسوں میں لاکھوں روسی جنگ کا نوالہ بنے اور ہزاروں مریدوں نے جام شہادت نوش کیا۔ قفقازی اپنے اللہ اور اپنے امام کے لیے لڑتے۔ گولیاں ختم ہو جاتیں تو تلواروں سے لڑتے۔ تلواریں ٹوٹ جاتیں تو نیزوں سے لڑتے، نیزے نہ رہتے تو خنجروں اور پتھروں سے لڑتے۔ کسی قیمت پر زندہ دشمن کے ہاتھ نہ آتے۔ چوبیس گھنٹوں کے لیے ایک مٹھی جو کا آٹا کافی ہوتا۔ ۱۸۳۹ء میں افلگو کا محاصرہ شروع ہوا جو اسی روز جاری رہا۔ روسی افواج تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔ مجاہدین دل و جان سے لڑے مگر ان کا اسلحہ بارود اور خوراک ختم ہو گئی اور کئی بیماریاں پھیل گئیں۔ آخر جنگ بندی ہوئی۔ امام شامل فرار ہونے میں پھر کامیاب ہو گئے اور ایک نئے مرکز سے جدوجہد جاری رکھی۔

تیس سال تک زیست و حیات کی یہ کشمکش جاری رہی اس کے نتیجے میں لاکھوں روسی فوجی زار کے نام فنا کے گھاٹ اتر گئے اور ہزاروں مجاہد بھی شہید ہوئے۔ ان تیس برسوں میں کبھی روسیوں کا پلہ بھاری رہا کبھی مجاہدین کا۔ تیس سال کے بعد امام شامل کی گرفت حالات پر کمزور پڑنے لگی۔ لوگ جہاد کے نام سے کترانے لگے۔ قبائل منحرف ہونے لگے[۴]۔ ۲۵ اگست ۱۸۵۹ء کو غنوب میں آخری معرکہ ہوا۔ روسی افواج کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مرید تعداد میں کم اور بے سروسامان تھے۔ کسی زمانے میں ہتھیار ڈالنے کا نام لینا جرم تھا اور اس جرم کی پاداش میں امام شامل نے اپنی والدہ پر سزا جاری کر دی تھی۔ لیکن اب امام اس قدر مجبور ہو گئے کہ ہتھیار ڈالنے میں اللہ کی رضا سمجھی۔

امام شامل کو گرفتار کر لیا گیا اور روس کے دارالحکومت پیٹرز برگ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ امام بھی عجب نشاط سے جلاد کے آگے آگے چلے جاتے تھے۔ زار کے حکم پر ان کے ساتھ ان کے عزت و وقار کے مناسب سلوک کیا گیا۔ انہیں پوری عزت و تکریم دی گئی اور قیدی ہونے کا احساس نہیں دلایا

گیا۔ انہیں پیٹرز برگ کی سیر کرائی گئی۔ پہلی بار انھوں نے بحری جنگی جہاز دیکھا۔ روسی معززین ان سے آکر ملتے اور ان کی بڑی مدارات کرتے۔ کچھ عرصے کے بعد انہیں ماسکو کے نواحی قصبے کلوغا میں رہنے کے لیے ایک بڑا آرام دہ گھر دے دیا گیا۔ خاندان کے بقیہ افراد بھی کلوغا پہنچ گئے۔ امام نے کلوغا میں بڑی سادہ اور پروقار زندگی گزاری۔ صرف ریاضت سے واسطہ رکھا۔ زار کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئے اور ایک دفعہ کہا بھی کہ اگر ایک زندگی اور ملی تو زار کی خدمت میں بسر کریں گے[۵]۔

آخر زمانے میں ان کی زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی تھی۔ انھوں نے بار بار حج پر جانے کی درخواست کی جو ۱۸۶۹ء میں منظور ہوئی۔ منظوری کے بعد وہ حج پر روانہ ہو گئے۔ حج ادا کیا۔ ۴ فروری ۱۸۷۱ء کو مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ وہ فیض کے اس مصرعہ کی تصویر تھے۔

جور کے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے

لیزلی بلانش کی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ مریدوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے پہلے اور امام شامل دوسرے نبی ہیں۔ یہ ایک تحقیق طلب بات ہے۔ ہمارے علم کے مطابق امام شامل نے کبھی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

امام شامل کی جلائی ہوئی شمع بجھی نہیں۔ اب بھی داغستان کی پڑوسی ریاست چیچنیا میں آزادی کی جنگ جاری ہے۔ روسی افواج سے آئے دن جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ ہزاروں افراد جان کی بازی لگا چکے ہیں۔ چیچنیا تمام دنیا کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ جوش صبا کو دبانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ امام شامل کی بیقرار روح آج بھی کوہ قاف میں وادی وادی بھٹکتی پھرتی ہے۔ روسیوں سے آزادی کا حصول جیتے جی اس کا مقصد رہا اور مرنے کے بعد بھی آزادی کا حصول ہی امام شامل کا مقصدِ اولیں ہے۔

حواشی

۱۔ اس سے قبل پہلے فیروز سنز اور بعد میں الفلاح پبلشرز لاہور/راولپنڈی کے زیر اہتمام کیپٹن [اب کرنل] محمد حامد صاحب کی اردو کتاب "روس کے ایک عظیم مجاہد: امام شامل" کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ کتاب کا تیسرا اور شاید آخری ایڈیشن ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا ہے۔ کیپٹن محمد حامد کی مذکورہ کتاب بھی اردو میں اپنی موضوع پر ایک اچھی کاوش ہے۔ حال (۱۹۹۴ء) ہی میں تل ابیب یونیورسٹی کے ایک یہودی مصنف موشے گیمر کی امام شامل اور قفقاز میں تحریک مریدیت کی تاریخ پر ساڑھے چار سو صفحے کی ایک انتہائی وقیع کتاب: *"Muslim Resistance to the Tsar: Shamil and the Conquest of Chechnia and Daghistan"* کے نام سے Frank Cass and Company لندن، برطانیہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے جو اس موضوع پر انگریزی میں ایک جامع کتاب ہے [مدیر]۔

۲۔ آج کل طفلس جارجیا کا دارالحکومت ہے اور اس کا جدید نام تبلیسی ہے۔ طفلس کی تاریخ کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: *Encyclopaedia Britanica (Micropaedia)* vol ix p 853 (word Tbilisi)

[مدیر]۔

۳۔ تاریخی شہادت اس بیان کو غلط ثابت کرتی ہے۔ امام شامل پہلے امام کے تقریباً ہم عصر تھے اور دوسرے امام ہمزاد بیگ کے نائبین میں شمار ہوتے تھے اور ان کی طرف سے علاقہ "ہندال" میں بطور خلیفہ مامور تھے۔ اُنہیں جب دوسرے امام ہمزاد بیگ کے قتل کی خبر پہنچی تو اُنہوں نے "گرماہ" گاؤں میں علماء اور عمائدین کی ایک میٹنگ بلائی تاکہ امام ثانی کے خلیفہ کا تقرر کیا جا سکے۔ اس اجلاس میں متفقہ طور پر شامل کو تیسرا امام چنا گیا۔ اس سلسلہ میں موشے گیمر مختلف ماخذ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

Indeed, the participants unanimously chose Shamil. But he declined, suggesting a few other, better qualified, candidates; these, however, refused, insisting that Shamil was the only qualified person for this position. In this they were influenced by the strong support given to Shamil's nomination by Sayyid Jamal al Din- the only murshid in Daghestan after the death of Muham mad al-Yaraghi _ no less than by Shamil's strong personality and by the circumstances of the election. Years later, Shamil recalled that the people asking him to accept the nomination and he himself, refusing, were so moved that they all started to weep. Finally, after a 'stubborn resistance' which 'almost convinced them', Shamil accepted the nominatin. The people then cheered and swore allegiance (bay'a)." (Moshe Gammer, *Muslim Resistance to the Tsar: Shamil and the Conquest of Chechnia and Daghestan*(Frank Cass, London, 1994) P.71 (مدیر)۔

۴۔ یہ بات خلاف حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ امام شامل کا قفقازی قبائل کے دلوں پر راج تحریک مریدیت اور جہاد کے دوران کبھی بھی ختم نہیں کیا جا سکا۔ قفقازی قبائل اور خاص کر چیچن اور داغستانی عوام کی روسی افواج کے خلاف مزاحمت کمزور پڑنے میں سب سے اہم کردار بالاتر روسی افواج کی بہتر حکمت عملی اور عملاً امام شامل کے پیروکاروں کو جہاد کے مزید مواقع فراہم نہ کرنے کی روسی پالیسیوں نے ادا کیا۔ بیرونی طاقتوں اور خاص کر برطانیہ، فرانس اور باب عالی (عثمانی سلطنت) کی طرف سے اُن کی جدوجہد آزادی سے لاتعلقی اور بالآخر ۳۰ مارچ ۱۸۵۶ء کو جنگ کریمیا کے اختتام کے لیے پیرس میں مذکورہ بالا تینوں طاقتوں کے درمیان معاہدہ امن نے بھی چیچن اور داغستانی مجاہدین کے حوصلے پست کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس معاہدہ امن کے بعد:

"Delegations from all over Chechnia and from almost all the mountain tribes gathered to the Imam and in unison demanded peace. They said to Shamil: 'if the Sultan with French and the English, who had promised us so much, could not defeat Russia and did not help us at all, then it is time for us to think of our own security. What hope have we left?" (Ibid P. 277.)

اس کے باوجود ۱۸۵۸ء اور ۱۸۵۹ء کے آخری معرکوں میں بھی امام شامل کے پیروکاروں نے آخری وقت تک ان کا ساتھ دیا۔ بقول ایک روسی وقائع نگار Volkonskii:

"Shamil did not remain inactive for a moment. The Imam did every thing possible to check the Russian advance. He concentrated

his forces and fortified his positions on the estimated Russian routes of advance. He continually harassed the Russians on all sides, and especially the expeditionary forces. He tried diversionary attacks. Finally, he led in person the forces which confronted Evdokimov in July 1958. This resulted in such bitter fighting by the mountaineers that even artillary fire did not stop them." (N.A Volkonskii, '1858', P 496 as quoted by M. Gammer, op cit, P. 283)

امام شامل کی گرفتاری سے قبل روسیوں کے خلاف ان کے جہاد کے آخری سالوں میں Caucasian Corps کے کمانڈر انچیف الیگزنڈر ایوانووچ بریاٹنسکی امام شامل اور ان کے پیروکاروں کی تحریک مزاحمت کے دم توڑنے کی وجوہات سے متعلق اپنی ایک رپورٹ میں یوں رقم طراز ہیں:

"The mountaineers could not be frightened by fighting. Constant warfare had given them such confidence that a few score men would engage without fear of a column several battalions strong, and returning one shot to our hundred would occasion us much more loss than we them. Fighting underlines equality between forces, and, as long as the mountaineers could fight, they entertained no thought of submission. But when, time after time, they found that they were not even given a chance to resist, their weapons started to fall from their hands." (John F. Baddeley, *The Russian Conquest of the Caucasus* [London, 1958] PP. 471-2) (مدیر)

۵- اس جملے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ امام شامل اپنے تیس سالہ جہاد کو ایک کارِ لاحاصل سمجھنے لگے تھے۔ جو ایک مجاہد سپہ سالار کے تو کجا ایک عام مسلمان سپاہی کے بھی شایان شان نہیں ہے۔ جہاد کا اعلیٰ و ارفع مقصد تو اللہ رب العزت کی رضا کا حصول ہے۔ فتح و شکست تو اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہاں تو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام شامل کا تیس سالہ جہاد محض زار روس سے ذاتی بغض و عداوت پر مبنی تھا۔ چنانچہ جب انہیں زار کا حسن سلوک معلوم ہوا تو نہ صرف وہ ان کے خلاف جہاد پر پشیمان ہوئے بلکہ اس تمنا کا اظہار کیا کہ اگر ایک اور زندگی ملی تو اسے زار کی خدمت میں بسر کر دیں گے۔ تاریخی حقائق امام کے منہ سے اس طرح کے الفاظ کی ادائیگی کی تصدیق نہیں کرتے۔ اور کسی بھی انگریزی یا روسی ماخذ میں اس طرح کے الفاظ ان کی طرف منسوب نہیں کیے گئے ہیں۔ (مدیر)۔